خطباتِ اقبال کا موضوعاتی تعارف

صدف نقوی☆
Sadaf Naqvi

ڈاکٹر محمد آصف اعوان☆☆
Dr. Muhammad Asif Awan

Abstract:

Iqbal had presented reconstruction of Islamic thought in his lectures. "THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM" is a new reflection of Islamic teaching in context to Islamic rituals and modern era education. These lectures deliver a positive answer to those challenges that the modern era education, philosophy and science has come up with.

اقبال ملتِ اسلامیہ کے اُن اوّلین معماروں میں سے تھے جنھوں نے اسلامی فکر کی تشکیل جدید اور وقت کے فکری اور جذباتی رجحان کے انحطاط کا نہ صرف جائزہ لیا بلکہ اُن کی تشخیص کے بعد اسلام کے تصورِ حیات و ممات کو اُس کی اصلی شکل میں پیش کیا۔ خطباتِ اقبال فکرِ اسلامی کی تجدیدِ نو سے متعلق ہیں۔ "THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM" کا پہلا خطبہ "Knowledge and Religious Experience" یعنی ''علم اور مذہبی تجربہ ہے۔'' اس خطبے میں اقبال نے درج ذیل اُمور پر روشنی ڈالی ہے:

۱۔ کائنات کی حقیقت اور انسان کا اِس تغیر پذیر کائنات سے کیا تعلق ہے؟

۲۔ کائنات، خدا اور انسان کے باہمی تعلق کی نوعیت کیا ہے؟

۳۔ کائنات کی حقیقت کے بارے میں مذہب، فلسفہ اور شاعری کا رویہ قیاس ہے؟

۴۔ فلسفہ و مذہب کے اشتراکات کیا ہیں؟

۵۔ عالم محسوسات اور عالم غیب کے بارے میں عیسائیت، فلسفہ یونان اور اسلام کا طریق عمل کیا ہے؟

☆ لیکچرار شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد
☆☆ صدرِ شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

۶۔ قرآن تسخیر فطرت اور عظمت آدم کا کیوں قائل ہے؟

۷۔ مذہبی وجدان حقیقت تک رسائی کا ایک ذریعہ ہے۔

اقبال نے اس خطبے میں خدا، کائنات، حیاتِ انسانی کے درمیان رابطے کا شعور اُجاگر کیا ہے۔

اقبال کے نزدیک عقل اور وحی ایک دوسرے سے مختلف نہیں دونوں تازگی اور باہمی طور پر تجدید قوت کے لیے ایک دوسرے کے ضرورت مند ہیں اور وجدان ہی کی ایک برتر صورت ہے۔

اسلام کی عقلی بنیادوں کی تلاش کا آغاز خود حضورﷺ نے فرمایا۔ اگرچہ فلسفہ یونان نے مسلمانوں کے اندر فکر میں بڑی وسعت پیدا کر دی تھی قرآن کے بارے میں مجموعی طور پر مسلم مفکرین کی سوچ کو یونانی فکر نے متاثر کرتے ہوئے دھندلا دیا۔ مسلم مفکرین کو کوئی دوسو سال کے عرصے میں کچھ کچھ سمجھ آیا کہ قرآن کی روح یونانی کلاسیکی فکر سے لازمی طور پر مختلف ہے۔ گزشتہ پانچ صدیوں سے اسلامی فکر عملی طور پر ساکت وجامد ہوگئی اور اب مغربی فکر کی طرف بڑھ رہے ہیں اگرچہ مغربی ثقافت اسلام ہی کے چند انتہائی اہم فکری پہلوؤں کی ترقی یافتہ شکل ہے لیکن ڈر ہے کہ کہیں مسلمان اس کی حقیقی روح کو نہ سمجھ سکیں۔ مغرب میں سائنسی فکر کی ترقی کے ساتھ علم و ادراک کے ہمارے تصور میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔ ایسے میں ہمیں اسلام کی الٰہیاتی فکر پر نظر ثانی کرنے اور تشکیل نو کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ مناسب وقت ہے کہ اسلام کی اساسیات کا جائزہ لیا جائے۔

قرآن کا بنیادی مقصد خدا اور کائنات سے انسان کے مختلف الجہات روابط کا شعور اجاگر کرنا ہے۔ مسیحیت کا سوال یہ تھا کہ روحانی زندگی کے لیے کسی ایسے مستقل روحانی جوہر کو تلاش کیا جائے جو بیرونی قوتوں کا پیدا کردہ نہ ہو بلکہ خود انسان کے اندر روح کے انکشافات سے عبارت ہو۔ اسلام اس بات سے اختلاف کی بجائے اس میں اضافہ کرتا ہے کہ اس نئے عالم کی دریافت عالم مادی سے بیگانہ نہیں۔ موضوع اور معروض، عین اور حقیقت، ریاضیاتی اخراج اور حیاتیاتی باطن میں اس اختلاف نے عیسائیت کو متاثر کیا لیکن اسلام نے اسے زیر کیا۔ اسلام اور عیسائیت دونوں نفس روحانی کا اثبات چاہتے ہیں، مگر اسلام عین اور حقیقت کے باہمی تعلق کی بنیاد پر مادی دنیا کے ساتھ انسانی تعلق کا اثبات کرتا ہے۔

قرآن کے نزدیک کائنات کھیل تماشا نہیں اور نہ ہی جامد و تکمیل شدہ چیز ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں:

> "It is not a block universe, a finished product, immobile and incapable of change. Deep in its witness being lies, perhaps, the dream of a new births."(1)

زمان و مکان کی فراخی انسانوں کے سامنے مسخر ہونے کے لیے تیار ہے۔ اور انسان ایک بے سکون روح ہے جو اپنے مقصد کے حصول کے لیے ہر شے کو بھول جاتی ہے۔ اور اپنے اظہار کے لیے نئے نئے موقعوں کی تلاش میں ہر دکھ سہہ لیتا ہے۔ اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود وہ فطرت پر برتری رکھتا

ہے۔لہٰذااسے مشاہدہ فطرت کا کام سونپا گیا ہے۔مشاہدہ فطرت کا بنیادی مقصد اس حقیقت کا شعور اُجاگر کرنا ہے جس کے لیے اس کائنات کو ایک آیت یعنی نشانی قرار دیا گیا ہے۔قرآن کے تجربی رویے نے مسلمانوں میں واقعیت کا احترام پیدا کر کے انہیں عہدِ حاضر کی سائنس کا بانی بنا دیا۔قرآن حکیم نے مسلمانوں کو حقیقت، تغیر اور محسوس کی طرف متوجہ کیا۔ایشیا کے دیگر مذاہب داخل سے خارج کی طرف سفر کرنے کے داعی ہونے کی وجہ سے طاقت سے محروم ہیں۔

قرآن علم الٰہی کے سرچشمے کے طور پر مذہبی مشاہدے کی تجربے پر فوقیت کے باوجود حقیقت مطلقہ کے علم کے حصول میں انسانی تجربے کے تمام پہلوؤں کو برابر اہمیت دیتا ہے۔فطرت کی تسخیر سے غلبہ محض کی بجائے روحانی زندگی کی ترقی پیش نظر رہے اور اس کے لیے قلب کے مشاہدہ سے کام لیا جائے۔قلب کے ذریعے ہمارا حقیقت کے ان گوشوں سے رابطہ استوار ہو جاتا ہے جو حواس کی قدرت سے باہر ہیں۔قلب کوئی پُراسرار طاقت نہیں بلکہ حقیقت کو جاننے کا ایک طریق ہے البتہ اس طریق سے حاصل کردہ علم بھی اتنا ہی معتبر ہے جتنا تجرباتی طریق سے حاصل کردہ علم ہے۔مذہبی تجربے کے حوالے سے محمد شریف بقا لکھتے ہیں:

> ''یہ بھی حصولِ علم کا ذریعہ ہے۔جس طرح عام علوم وفنون ہمیں خارجی دنیا کا علم عطا کرتے ہیں۔اسی طرح صوفیانہ تجربات و مشاہدات بھی ہمیں باطنی دنیا اور خدا کے متعلق معلومات دیتے ہیں۔''(۲)

مذہبی تجربے کے بنیادی خواص درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ تجربہ دوسرے علم فراہم کرنے والے تجربات کی طرح فوری اور بلاواسطہ ہوتا ہے۔بلاواسطہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خدا کا اسی طرح سے علم حاصل کرتے ہیں جیسے کسی اور شے کا۔

۲۔ اس تجربے کی خصوصیت ناقابلِ تجزیہ کلیت ہے۔صوفیانہ حال ہمیں کلی طور پر حقیقت کے روبرو کرتا ہے جس میں مختلف ہیجانات ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک ناقابلِ تجزیہ وحدت میں ڈھل جاتے ہیں۔

۳۔ صوفیانہ تجربہ میں ایک صوفی اپنی ذات سے ماورا ایک یکتا وجود سے رابطہ قائم کر لیتا ہے اس طرح یہ موضوعی نہیں بلکہ خالصتاً معروضی تجربہ ہے۔صوفیانہ تجربہ کو موضوعی سمجھنا ہماری اس غلطی کی وجہ سے ہے کہ ہم نے حواس کو بلا تنقید و تحقیق حتمی ذریعہ علم سمجھ لیا ہے کیونکہ وہ ردِعمل کے ذریعے ہمیں اپنے وجود کا احساس دلاتے ہیں جبکہ ایسا احساس تو صوفیانہ تجربہ بھی دلاتا ہے۔

۴۔ صوفیانہ تجربہ چونکہ بلاواسطہ ہے اس لیے اس کا ابلاغ ممکن نہیں۔کیونکہ وہ بنیادی طور پر احساسات ہیں جن میں عقلی استدلال کا شائبہ تک نہیں۔احساس کے طور پر سامنے آنے کے باوجود خود کو احساس تک محدود نہیں رکھتا۔

۵۔ ذات ازلی سے تعلق کی وجہ سے اس زمان غیر متسلسل کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنے کی بجائے صوفی اور

نبی دونوں تجربے کی عام سطح پر آ جاتے ہیں۔ چنانچہ حصولِ علم کے لیے صوفی کا تجربہ انسانی زندگی کے کسی دوسرے تجربے کی طرح کا حقیقی اور وقیع تجربہ ہے۔

المختصر مذہب اور سائنس دونوں کا تجربہ ٹھوس ہوتا ہے لیکن مذہب ایک خاص نوع کی کہنہ تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ مذہبی مشاہدہ ایک ایسی نفسیاتی کیفیت احساس ہے جس کے ادراک کو دوسروں کے سامنے تصدیقات کی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے مافیہ کا ابلاغ ممکن نہیں البتہ اس کی صداقت کی ضمانت عقلی معیارات سے کی جا سکتی ہے۔

اقبال کا دوسرا خطبہ:

"The philosophical test of the revelations of religious experience."

''مذہبی تجربے کے انکشافات کی فلسفیانہ پرکھ'' ہے۔ یہ دراصل اُن کے پہلے خطبے کا ہی تسلسل ہے۔ پہلے خطبے میں مذہبی تجربے کی قدر و قیمت کے بارے میں لکھا ہے۔ اُن کے نزدیک انسان کی باطنی قوت ہی رومانی تجربے کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ اس تجربے میں وقوف و ادراک کا حصہ بننے والی اہم ہستی خدا تعالیٰ کی ہے۔ لہٰذا دوسرے خطبے کا آغاز اسی ہستی کی علمی پرکھ سے کرتے ہیں۔

عیسائی فلسفے کے مطابق علتی، مقصدی اور وجودیاتی کے عنوان سے خدا کی ہستی کے بارے میں تین دلائل دیے ہیں۔ یہ تینوں دلائل ناکام ہیں کیونکہ وہ فکر کو ایسی قوتِ خیال کرتے ہیں جو چیزوں پر خارج سے عمل کرتی ہے۔ غایتی اور وجودیاتی دلائل کی صحیح نوعیت اس وقت ظاہر ہو گی جب ہم قرآنی منہاج کے مطابق احتیاط کے ساتھ تجربے کا تجزیہ کر کے اس کی توجیہ کریں۔

مشاہدہ جب زمان میں اپنی گرہیں کھولتا ہے تو وہ خود کو تین درجات مادی، زندگی کی، ذہن و شعور کی سطح پر ظاہر کرتا ہے۔ مادی نظریہ کے مطابق مشاہدہ انسان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے اس وجہ سے یہ نظریہ فطرت اور شاید فطرت کے درمیان ایک خلیج حائل کر دیتا ہے۔ اب چونکہ اشیاء موضوعی حالتیں نہیں بلکہ معروض میں موجود ہیں اور زمان اور مکان باہم متبدل ہیں۔ اب مادہ جامد نہیں کائنات ساکت نہیں۔ تجربے کی وحدت کی دو مخالف خانوں ذہن اور مادہ میں تقسیم نے اب مادی یا طبعی نظریے کو داخلی مشکلات سے دوچار کر دیا ہے۔ اب یہ واضح ہو گیا ہے کہ نظم زمان و مکان شاہد کے ذہن پر منحصر نہیں۔

تجربے کے دوسرے مدارج حیات اور شعور پر نظر ڈالیں۔ شعور کو زندگی کو روشنی دینے والا دائرۂ نور سمجھا جاتا ہے۔ زندگی کے مظہر کی وضاحت کے لیے میکانکی تصور نا کافی ہے۔ چونکہ زندگی مشین سے مختلف ہے اس کے منبع کی توضیح ماضی بعید میں کرنے یا اس کا مبدا روحانی حقیقت میں تلاش کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ زندگی کی اساسی حقیقتی طبیعات اور کیمیا کے معمول کے اصول سے متقدم ہے اگر عقل خود ارتقا کی پیداوار ہے تو زندگی کی نوعیت اور اس کے آغاز کے بارے میں میکانکی تصور لغو ٹھہرتا ہے۔

انسان کی داخلی یا باطنی حیات متغیر ہے۔ شعوری زندگی حیات فی الزمان ہے اور مکانی زمان میں بسر ہونے والی زندگی غیر حقیقی زندگی ہے۔ فطرت سنت اللہ ہے اور اس کی نشوونما کی کوئی حد نہیں فطرت کا علم دراصل خدا کے طریق عمل کا علم ہے۔

اس خطبے کے اختتام پر اقبال نے دعا کی اہمیت بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> "Philosophy is an intellectual view of things; and as such does not carte to go beyond a concept which can reduce all the rich variety of experience to a system. It sees reality from a distance as it were. Religion seeks a closer contact with reality. The one is theory; the other is living experience, association, intimacy. In order to achieve this intimacy thought must rise higher than itself and find its fulfillment in an attitude of mind which religion describes as prayer."(3)

اقبال کے نزدیک مذہب کو فلسفے پر ترجیح حاصل ہے۔ بقول شریف بقا:

> ''فلسفہ حقیقت کاملہ کو دور سے دیکھتا ہے۔ اس کے برعکس مذہب اس حقیقت سے قرب و اتصال چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ فلسفہ صرف افکار ونظریات پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن مذہب زندہ تجربے کا نام ہے۔''(۴)

اقبال کا تیسرا خطبہ:

"The Conception of God and the Meaning of Prayer."

''خدا کا تصور اور عبادت کا مفہوم'' ہے۔ اقبال تیسرے خطبے کا آغاز دوسرے خطبے کے خیالات کے تسلسل سے کرتے ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال خطبات اقبال کے حوالے سے وضاحت کرتے ہیں:

> ''خدا کی لامتناہیت اُس کی تخلیقی فعلیت کے باطنی امکانات سے عبارت ہے۔ جن میں کائنات کا وجود محض ایک جزوی اظہار ہے۔''(۵)

اقبال سمجھتے ہیں کہ خدا کی لامتناہیت کا اندازہ اُس کی وسعت سے نہیں بلکہ گہرائی سے کرنا چاہیے۔ خدا لامتناہیت کے سلسلے کا غیب تو ہے مگر بجائے خود یہ سلسلہ نہیں۔

یہ نورِ ایزدی مطلق ہے اور ارادہ تکوین اور فعل آفرینش ایک ہی ہیں۔ کائنات کی اصل روحانی ہے۔ زمان ایزدی زمان متسلسل سے بہتر ہے۔ مذہبی واردات عقلی معیار پر پوری اُترتی ہے اس واردات کی اساس ایک تخلیقی مشیت ہے جسے انائے مطلق کہا جا سکتا ہے اور قرآن اس انائے مطلق کی انفرادیت ظاہر کرنے کے لیے اسے اللہ کا خاص نام دیتا ہے۔ توالد کا رجحان انفرادیت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ چونکہ انسانوں کے لیے توالد وتناسل ضروری ہے اس لیے وہ افراد کامل نہیں بن سکتے۔ کامل صرف

خدا ہے۔ زمان ومکان انائے مطلق کی تخلیقی سرگرمی کی فکری تعبیرات ہیں اور ہم انائے مطلق کے امکانات کو اپنے ریاضیاتی زمان ومکان کی شکل میں جزوی طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔ خدا کے لیے کائنات کا کوئی ایسا واقعہ نہیں جو قبل اور مابعد پر مشتمل ہو یعنی ارادہ تخلیق اور فعل تخلیق دو مختلف چیزیں نہیں۔ شاعرہ کا خیال ہے کہ لاتعداد جواہر مل کر مکان کی وسعت اور تخلیق کا باعث بنتے ہیں اور جوہری اعمال کے مجموعے کا نام شے ہے۔ مکان میں سے جوہر کے گزر کو حرکت کہا جاتا ہے۔ اشاعرہ ابتدا اور انتہا کے درمیان واقع ہونے والے نقاط میں سے کسی چیز کے مرور کو اچھی طرح واضح نہیں کر سکے۔ جوہر صفت حیات کے حصول کے بعد مکانی نظر آتا ہے جہاں تک وقت کی ماہیت اور اصلیت کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں قطعی اور درست بات نہیں کہی جا سکتی۔

خیر اور شر کے حوالے سے وہ ہستی جس کی حرکات وسکنات مکمل طور پر مشین کی طرح ہوں نیکی کے کام نہیں کر سکتی۔ نیکی کے لیے آزادی شرط ہے۔ خدا نے انسانی خودی کو آزادی عمل کی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔ خارجی دنیا سے بے زار ہو کر باطن میں پناہ لیتے ہوئے ہستی مطلق کا قرب حاصل کرنا دعا ہے۔ دعا کی بدولت ہماری شخصیت کا چھوٹا سا جزیرہ ایک دم بحر بیکراں بن جاتا ہے۔ تلاش حقیقت میں فلسفہ کی رفتار سست ہے جبکہ دعا بجلی جیسی تیزی رکھتی ہے۔ دعا عبادت کا مغز ہے اور عبادات میں جسمانی حرکات و سکنات ایک خاص رویہ تشکیل دیتی ہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

> "We cannot ignore the important consideration that the posture of the body is a real factor in determining the attitude of mind."(6)

پروفیسر محمد عثمان لکھتے ہیں:

> ''نماز کے آداب میں بعض عظیم الشان حکمتیں بھی پوشیدہ ہیں سب مسلمانوں کا قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرنا ہمارے اتحاد و یکدلی کی علامت بھی ہے۔''(۷)

اقبال کا چوتھا خطبہ:

"The Human ego - His Freedom and Immorality."

''انسانی خودی، اس کی آزادی اور حیات بعد الموت'' ہے۔ اقبال کی فکر کا مرکزی نقطہ ہی خودی ہے۔ اقبال شروع سے ہی انسان کی عظمت کے قائل تھے۔ بانگِ درا کی ابتدائی دور کی نظم دیکھیے:

پریشاں ہوں میں مشتِ خاک، لیکن کچھ کھلتا نہیں
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدورت ہوں
یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سراپا نور ہو جس کی حقیقت، میں وہ ظلمت ہوں
نہ صہبا، نہ ساقی ہوں، نہ مستی ہوں، نہ پیمانہ
میں اس میخانہ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں(۸)

اقبال نے اس خطبے میں درج ذیل امور پر اپنے اثرات کا اظہار کیا ہے:

۱۔قرآن کا تصور انسان کیا ہے؟ قرآن عظمت آدم کا قائل کیوں ہے؟

۲۔حصولِ علم کے تین ذرائع کون سے ہیں؟

۳۔روح اور مادے کا تعلق کیا ہے؟

۴۔مسئلہ جبر وقدر اور خودی کی آزادی کی نوعیت کیا ہے؟

۵۔حیات بعد الموت خودی اور روح کا تعلق کیا ہے؟

قرآن کے مطالعہ سے تین باتیں بالکل واضح دکھائی دیتی ہیں۔ پہلی یہ کہ انسان برگزیدہ مخلوق ہے۔ دوسری یہ کہ انسان اپنی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود زمین پر خدا کا نائب ہے اور تیسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ انسان آزاد شخصیت کا امین ہے جسے اس نے خطرہ مول لے کر قبول کیا تھا۔ خودی مکان سے وابستہ نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ تاج محل کے حسن و جمال کے بارے میں میرا جذبہ تحسین آگرہ سے مسافت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ اسی طرح زمان بھی خارجی دنیا میں ماضی، حال اور مستقبل کی صورت اختیار کرنے کے باوجود اندرونی دنیا میں ناقابلِ تقسیم ہوتا ہے۔ ماضی سے رشتہ منقطع کیے بغیر اسلامی تعلیمات کو جدید علوم کی روشنی میں بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

خلوت پسندی خودی کی یکتائی کا اظہار ہے۔ شعوری تجربہ خودی کے روحانی جوہر کا صحیح سراغ نہیں دے سکتا لیکن اس کے باوجود شعوری تجربے کی تعبیر ہی وہ شاہراہ ہے جس پر چل کر ہم خودی کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ نماز یا دعا دراصل خودی کا میکانیت یا جبر سے آزادی کی طرف گریز ہے۔ عمل کا تکرار مشین کا خاصہ ہے نہ کہ انسان کا اگر ہر واقعہ نیا نہیں تو ہمارے لیے زندگی میں جاذبیت باقی نہیں رہتی۔ بقائے ذات ہمارا پیدائشی حق نہیں بلکہ ہمیں اپنی ذاتی کوششوں سے حاصل کرنا پڑے گا۔ اور:

''عمل سے خودی پختہ کار اور مقاصد حیات میں مددگار بن کر اپنے آپ کو غیر فانی بناتی ہے۔''(۹)

اقبال کا پانچواں خطبہ:

"The Spirit of Muslim Culture."

''اسلامی ثقافت کی روح'' ہے۔

اس خطبے کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ نبوت اور ولایت کا فرق کیا ہے؟

۲۔ اسلام عقل کی افادیت کا قائل ہے۔ تاہم مطالعہ باطن کے لیے عقلی توجہات و تعبیرات ضروری ہیں۔

۳۔ قرآن کی رو سے علم کے تین ذرائع کون سے ہیں؟

۴۔ مطالعہ کائنات اسلامی کلچر کی نمایاں خصوصیت ہے۔

نبوت اور ولایت کا فرق یہ ہے کہ ولی کا منتہائے مقصود صرف ذاتِ ربانی سے وصال ہے لیکن

نبی اس صعود کے بعد ہدایت عامہ کے لیے نزول کرتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان کھڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنے الہام کے سرچشمے کی بدولت عالم قدیم سے متعلق ہیں۔ لیکن اپنی الہامی سپرٹ کی وجہ سے عصر حاضر سے مربوط ہیں ان کی بدولت زندگی نے اپنی نئی سمتوں کے مناسب علوم اور نئے سرچشمے دریافت کیے۔ دراصل اسلام کا ظہور استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ فقہ اسلام کا اصول حرکت قرار دیتے ہیں۔ جو اسے سب زمانوں کے لیے کافی بنا دیتا ہے۔

قرآن کی رو سے حصولِ علم کے تین ذرائع ہیں۔ باطنی مشاہدہ، مطالعہ فطرت اور تاریخ جس ثقافت کا نقطہ نظر یہ ہو زمان و مکان اس کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ ابن خلدون نے سب سے پہلے اسلام کی ثقافتی تحریک کی روح کو شدت کے ساتھ محسوس کر کے اسے منظم طور پر بیان کیا۔ اقبال لکھتے ہیں:

> "The point of interest in this view of history is the way which Ibn Khaldun conceives the process of change. His conception is of infinite importance because the implication that history, as a continuous movement in time is a genuinely creative movement and not a movement whose path is already determined."(10)

اقبال کے انہی خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر یوسف شاہد لکھتے ہیں:

> ''اقبال یقیناVisionary بھی تھے لیکن درحقیقت وہ زمانے کو بدل دینے کے نہ صرف قائل تھے بلکہ اس میں کوشاں بھی تھے۔۔۔اُن کے ہاں ہر لحظہ تبدیلی زندگی کا اصل نام ہے۔ ذات الٰہی اپنا اظہار اپنے مسلسل تخلیقی رویے سے کرتی ہے جس میں کسی قسم کی یکسانیت اور ٹھہراؤ ممکن نہیں۔''(۱۱)

دراصل ابنِ خلدون اسلام کی تہذیبی تاریخ اور علمی روایات سے پوری طرف آگاہ تھا۔ اور وہ اس حقیقت سے آگاہ تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ:

''کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ''(۱۲)

(وہ ہر روز کسی نہ کسی کام میں ہے۔)

اقبال کا چھٹا خطبہ:

"The Principle of Movement in the Structure of Islam."

''اسلام میں حرکت کا اصول'' ہے۔

اسلام کائنات کے حرکی نظریے کو تسلیم کرتا ہے۔ اسلامی ثقافت نے ملوکانہ اور خونی رشتوں پر قائم ثقافت کی جگہ اصول توحید کی بنیاد پر وحدت کی ثقافت قائم کی۔ اس کی بنیاد ابدی اصولوں پر ہے لیکن اگر ہم ان ابدی اصولوں میں تغیر کے امکان ختم کر دیں گے تو فطرتاً ایک متحرک چیز کو غیر متحرک بنانے کا رویہ

سامنے آئے گا۔ اسلام اپنے حرکی نظریۂ حیات اور نظریہ توحید کی وجہ سے تمام زمانوں کو محیط اور بنی نوع انسان کی وحدت کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے۔ اس لیے اسلام ہی کسی قوم کو قیادت اقوام کا اہل بناتا ہے۔ اسلام میں اجتہاد کا تصوف فقہی مکاتب فکر نے تسلیم کیا ہے۔[1] قانون سازی کا مکمل اختیار (ب) اضافی اختیار (ج) خصوصی اختیار۔ اسلام میں فقہی جمود کے اسباب میں عقل پرستی کی تحریکوں کے حتمی مقاصد کے بارے میں غلط فہمی اور متشدد عقل پسندوں کی بے مہار سوچ سے خطرے کے دفاع کی کوشش، راہبانہ تصوف اور بغداد کی تباہی کے نتیجے میں ہونے والے سیاسی انتشار کے دوران ماضی کے قانون شریعت کی تبدیلی سے گریز شامل ہیں۔ بعد میں ابنِ تیمیہ، ابنِ حزم اور محمد بن عبدالوہاب کے زیرِ اثر اجتہاد کی تحریکیں اسلام کا خاصہ بن گئی ہیں۔

دین اور سیاست دو مختلف حقیقتیں نہیں بلکہ اسلام کی واحد حقیقت کے ستون ہیں۔ نجس دنیا نام کی کوئی چیز نہیں مادے کی تمام بے کرانی روح کی خود آگاہی کی وسعت پر مشتمل ہے اور جو کچھ بھی ہے مقدس ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی ریاست توحید کے بنیادی اصولوں کا مخصوص انسانی ادارے میں عملی صورت کا نام ہے بس اتنے لحاظ سے اسلامی ریاست تھیا کریسی ہے۔ یہ اس طرح کی تھیا کریسی نہیں جس میں ریاست کا سربراہ زمین میں خدا کا نائب اور مطلق العنان استبدادیت قائم کرے۔ جمہوری طرزِ حکومت اسلام کی روح کے مطابق ہے اور منتخب اسمبلی کو خلافت اور امامت دینا عین اجتہاد ہے۔ عقیدہ توحید بنی نوع انسان کی وحدت کا ذریعہ ہے جو مصنوعی امتیازاتِ رنگ و نسل وغیرہ کو مٹا کر ساری انسانیت کو ملت واحد بنا سکتا ہے۔ مسلمانوں کو جمود کے تصور سے آزادی حاصل کرنا ہوگی ہم اسلامی دنیا میں حریت فکر کی تحریکوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

اسلامی فکر میں لچک کی حد درجہ گنجائش موجود ہے۔ اسلامی جذب وقبول کو صلاحیت کا اظہار قانون میں بہت زیادہ ہوا ہے۔ قدامت پسندی کے باوجود نئی زندگی کی طرف رجوع کی طرف اسلام کی ہمہ گیری اپنا آپ منوا کے رہے گی۔ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس اُصولِ شریعت ہیں جن کی وجہ سے اسلام کا ہر زمانے اور کل انسانیت کے لیے منبع ہدایت ہونا ممکن ہے۔ اس خطبے کے آخر میں اقبال نے مسلمانوں کو حریتِ فکر اور جرأتِ عمل کا درس دیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

> "Let the Muslim of today appreciate his position reconstruct his social life in the light of ultimate principles, and evolve, out of the hitherto partially revealed purpose of Islam, that spiritual democracy which is the ultimate of Islam."(13)

اقبال کا ساتواں خطبہ:

"Is Religion Possible?"

''کیا مذہب کا امکان ہے؟''

اُن کے نزدیک مذہبی زندگی کی تقسیم تین ادوار میں ہوسکتی ہے۔ اعتقاد، فکر اور کشف۔ تیسرے دور میں مابعدالطبیعات کی جگہ نفسیات لے لیتی ہے اور مذہبی زندگی میں حقیقت سے براہِ راست شادکام ہونے کی امنگ پیدا ہوجاتی ہے۔ دورِ جدید میں یہ سوال کہ کیا مابعدالطبیعات یا مذہب اہم ہیں اس لیے اہم ہے کہ جدید دور میں تنقیدی فلسفوں اور سائنس کی وجہ سے فطرت کی قوتوں پر تو کنٹرول ہوگیا ہے۔ لیکن انسان مستقبل پر ایمان سے محروم ہوگیا ہے۔ اسلام میں نظریہ ارتقا نے رومی کے حیاتیاتی مستقبل کے بارے میں افکار نے جوش وولولہ پیدا کیا۔ دوسری طرف یورپ نظریہ ارتقا کی تشکیل کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اب ارتقا رکیا گیا ہے۔ دورِ جدید کا انسان فکریات میں اپنے آپ سے اور معیشت و سیاست میں دوسروں کے ساتھ تصادم میں مبتلا ہے۔ مشرق ومغرب کی اقوام کی زبوں حالی میں مذہب ہی ہے جو اس تمام تشتت وافتراق نکلنے کا واحد ذریعہ ہے۔ خودی کی حامل جماعت کا نائب حق ہونا لازم ہے۔ فرسودہ تصوّف اور لادین اشتراکیت اس معاملے میں بے سود اور ناکام ہیں۔ جدید ثقافت کی تاریخ میں یہ لمحہ یقیناً ایک بڑے بحران کا لمحہ ہے۔ حیاتیاتی احیا آج کی دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور مذہب تنہا انسان کے ایمان کو بحال کر کے ایک ایسی شخصیت کی تعمیر کرسکتا ہے جسے وہ بعد میں باقی رکھ سکے۔

مذہب اخلاقی اقدار کے مطلق اصولوں کو اپنی گرفت میں لا کر شخصیت اپنی قوتوں یعنی خودی کو متحد کرتا ہے۔ مذہبی تجربے عصبی خلل کا اظہار یا صوفیانہ اور پُراسرار ہونے کے باوجود معنی اور قدر میں اہم و ضروری ہیں۔ مذہب کا اعلیٰ ترین مقصد انسانی معاشرے کے تانے بانے کے ارتقا کو خودی کی منزل کی طرف متحرک کرتا ہے۔ مذہب عالم امر یعنی رہنمائی دینے والی توانائی کی دنیا سے گزرنے کو وجود حقیقی کے مظہر سے واقفیت کے لیے ضروری سمجھتا ہے جدید نفسیات نے اس موضوع کی بیرونی حدوں کو بھی ابھی نہیں چھوا۔ خودی کا مقصد اثبات ذات ہے خودی کا حتمی مطمحِ نظر کسی شے کا دیدار نہیں بلکہ خود کچھ بننا ہے اور نائب حق جماعت کا فریضہ اور زمانی نصب العین یہ ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت اور حاکمیت کی ترجمانی کرتی رہے۔

طبعی سائنس کسی بھی شکل میں سچے مذہب کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور بقول الطاف احمد اعظمی:

''سچا مذہب قلب ودماغ کی روشنی ہے اور روشنی سے کون شخص بے اعتنائی برت سکتا ہے۔''(۱۴)

قرآن مجید میں سورۃ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے:

''الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ''(۱۵)

(الر یہ کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ تم اس کے ذریعے لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ۔)

جدید دور میں مذہب کو نئی آب وتاب کے ساتھ پیش کیا جانا چاہیے کیونکہ اس میں اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔ اقبال کی انھی تعلیمات کے حوالے سے ڈاکٹر

وحید عشرت لکھتے ہیں:

''انسانی زندگی کی تشکیل مذہب کے نظریہ پر ہو، اسلام کی تعلیمات کی تفہیم عام کی جائے پورے اسلامی علمی اور ثقافتی سرمائے کے تحت اسلامی الٰہیات کی نئی تشکیل ہو اقبال کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پورے الٰہیات اسلامی بشمول اقبال ایک عمیق نظر ڈالی جائے اور اسلام کے تصورِ توحید کی روشنی میں اسلام کی عالمگیریت کو اور اور اُس کے اصولوں کے اطلاق کے امکانات کو واضح کیا جائے۔ فرقہ پرستی سے پرہیز کر کے اسلام کے عالمگیر اصول کی تلاش کی جائے اور عربیت، عجمیت اور اسلام میں واضح امتیاز قائم کیا جائے۔''(۱۶)

اقبال مسلمان قوم کو ایسا ہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ مقصد کے لیے وہ اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لائیں تو کائنات کے اسرار اُن پر منکشف ہوتے چلے جائیں گے اور یوں اُن کا ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔ مسلمان موجودہ دور کی سائنسی تحقیقات اور عملی کمالات کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کی تشکیل جدید کریں گے تو اُن کا آنے والا کل روشن تر ہوگا۔

حوالہ جات

1. Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Lahore: Iqbal Academy Paksitan, Third Edition 2015, P.8

۲۔ محمد شریف بقا، خطباتِ اقبال پر ایک نظر، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۸ء، ص ۲۴

3. Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P.49

۴۔ محمد شریف بقا، خطبات پر ایک نظر، ص ۴۶

۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال تسہیل و تفہیم، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۸۷

6. Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P.93

۷۔ پروفیسر محمد عثمان، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۹

۸۔ محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۱۹۹۵ء، ص ۵۰

۹۔ پروفیسر محمد عثمان، فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو، ص ۱۲۰

10. Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P.113

۱۱۔ یوسف شاہد، ڈاکٹر، فکرِ اقبال کی مختلف جہتیں، مشمولہ: ذکر و فکر اقبال، مرتبہ: طارق واصفی، لاہور: فکرِ اقبال فورم، ۲۰۱۵ء، ص ۱۴۶

۱۲۔ قرآنِ حکیم، سورۃ رحمن ۲۹:۵۵

13. Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, P.143

۱۴۔ الطاف احمد اعظمی، خطباتِ اقبال ایک مطالعہ، لکھنؤ: فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، اتر پردیش، ۲۰۰۱ء، ص ۲۷۰

۱۵۔ قرآنِ حکیم، سورۃ ابراہیم ۱:۱۴

۱۶۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، اقبال فلسفیانہ تناظر میں، لاہور: ادارہ مطبوعات سلیمانی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۲۵